رحمان سرور باجوہ
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
ڈاکٹر غلام اصغر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

نقوش اور الزبیر کے آپ بیتی نمبروں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

Critical Study of Naqoosh and Al-ZubairAutobiography Number

Rehman Sarwar Bajwah,Ph.D Scholar,Department of Urdu,Islamic University, Bahawal pur.

Dr. Ghulam Asghar, Assistant Professor,Department of Urdu, Islamic University, Bahawal pur.

Abstract

Autobiography is an important genre in Urdu literature. In Autobiography an individual writes his stories and experiences of life.In literary magzine of Pakistan,Article on Autobiography importance, tradition and expension have been published now and then. However some jouranl'sParticular numbers had also key role to become famous the genre of Autobiograohy.In this Article,the journals, Naqoosh and Al-Zubair which published Autobiography(Aap beti) number in Pakistan has been critically analyzed.

Key words:Autobiography, journal, specific numbers, Naqoosh , Al-Zubair , critically, Pakistan.

اردو ادب میں آپ بیتی کی صنف بہت اہم ہے۔آپ بیتی میں ایک فرد اپنی زندگی میں پیش آنے والے اہم واقعات وتجربات کو پیش کرتا ہے۔ پاکستان کے ادبی رسائل میں آپ بیتی کے مفہوم روایت اور ارتقاء پر کبھی کبھار مضامین شائع ہوتے رہے ہیں تاہم آپ بیتی کی صنف کو مقبول بنانے میں اہم کردار چند پاکستانی مجلوں کے خصوصی نمبروں کا ہے۔اس آرٹیکل میں پاکستان میں شائع ہونے والے مجلوں ؛نقوش اور الزبیر کا جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے آپ بیتی کی صنف پر خصوصی شمارے شائع کیے ہیں۔

کلیدی الفاظ: آپ بیتی، جرائد، خصوصی نمبر، تحقیق، اردو ادب، پاکستان، غیر افسانوی تخلیقی نثر، تنقیدی مطالعہ۔

باضابطہ طور پر جب ہم آپ بیتی کی تاریخ اور ارتقا پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صنف زیادہ قدیم نہیں، خود انگریزی ادب میں

آٹو بایوگرافی کی اصطلاح بھی اٹھارویں صدی عیسوی میں اختیار کی گئی۔اس سے پہلے حالات زندگی کے بیان کو Memoirs(یادداشتوں) سے موسوم کیا جاتا تھا۔اردو ادب میں آپ بیتی کی باقاعدہ روایت ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوتی ہے۔اس دور سے لے کر آج تک اس صنف نے اردو ادب میں بہت ترقی کی ہے۔اردو ادب میں آپ بیتی کے اس ارتقاء میں اردو مجلوں کا حصہ نمایاں ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ اردو ادب میں آپ بیتی کے فن کو متعارف کرانے میں بنیادی کردار اردو مجلوں کا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ہماری جامعات میں آپ بیتی کی صنف پر جو تحقیق ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اس تحقیق کے ماخذ آج تک وہی مجلّے بن رہے ہیں جنھوں نے اس صنف کے خصوصی نمبر نکالے ہیں۔اب تک آپ بیتی کی صنف پر خصوصی نمبر شائع کرنے والے پاکستانی مجلوں میں ''نقوش'' اور ''الزبیر ''ہیں۔ان مجلوں کا ذیل میں آپ بیتی کے حوالے سے خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

نقوش (آپ بیتی نمبر):

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا ترجمان سمجھا جانے والا جریدہ ''نقوش'' اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس نے ۱۹۶۴ء میں اولین آپ بیتی نمبر نکالا تاہم اسی سال اردو اکادمی بہاولپور، الزبیر نے بھی آپ بیتی نمبر نکالا۔''نقوش'' کا آپ بیتی نمبر'' الزبیر'' کے آپ بیتی نمبر سے ضخامت میں تین گنا ہے اور یقیناً کسی بھی جریدے کا آپ بیتی نمبر ''نقوش'' کے آپ بیتی نمبر سے ہمسری نہیں کر سکتا۔''نقوش'' کا یہ آپ بیتی نمبر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کے کل صفحات ۱۸۸۰ ہیں۔نقوش کا یہ ۱۰۰ واں شمارہ تھا۔اس شمارے میں محمد طفیل نے خصوصی طور پر نہ صرف ادباء اور شعراء کی مختصر آپ بیتیوں کو شامل کیا بلکہ غیر ملکی ادیبوں، مصلحین، سیاسین، مورخین، علماء، اولیا، صوفیا، سربراہ مملکت کی بھی مختصر آپ بیتیاں بھی شمارے میں شامل کی ہیں۔ان آپ بیتیوں کی تعداد دو سو چوالیس ہے۔اس بابت محمد طفیل رقمطراز ہیں:

> ''۔۔۔۔۔۔میں تو کہنے یہ چلا تھا کہ اس گناہگار ادیب نے اب کے بڑے ادیبوں کے ساتھ بڑے لوگوں سے بھی قلمی مدد چاہی۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں کہ ادبی بادشاہوں کے ساتھ دنیاوی بادشاہوں سے بھی ملاقات کر لی جائے۔۔۔۔۔۔ بادشاہ تو بادشاہ میں تو اس نمبر کے لیے اللہ میاں سے بھی مضمون لکھوانے کا ارادہ کرتا۔ بشرطیکہ اس پر قدرت رکھتا۔۔۔۔۔۔''(۱)

اس شمارے کی ضخامت حیرت انگیز حد تک طویل ہے۔خود مدیر محمد طفیل بھی اس کی ضخامت اور طوالت کی وجہ سے آپ بیتیوں اور مضامین کو ترتیب دینے میں ناکام رہے ہیں۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''اس نمبر کی ترتیب یہ ہے کہ کوئی ترتیب نہیں۔۔۔۔۔جیسے جیسے مضمون ملتے گئے، ہم انہیں چھاپتے رہے۔اگر اس امر کا انتظار کرتے کے ہر مضمون اپنی جگہ پر آئے تو اس کے لیے ابھی اور کئی مہینے انتظار کرنا پڑتا۔ چونکہ معاملہ انتظار اور صبر کی حدود کو پھاند چکا تھا، اس لیے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر اہم مضامین آخر میں چلے گئے۔۔۔اب تو ترتیب صرف فہرست میں ملے گی۔''(۲)

محمد طفیل کو اس شمارے کو مرتب کرنے کے دوران جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا اظہار وہ جریدے کے ابتدائیہ (تصریحات) میں کرتے ہیں۔وہ اس شمارے کی اہم خصوصیات سے قاری کو متعارف کرانے کے علاوہ آپ بیتی کے فن پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

''کسی انسان کی زندگی کے تجربات، مشاہدات، محسوسات، نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان ہوتی ہے۔ جو خود اس نے بے کم و کاست اور راست راست قلم بند کر دی ہو۔ جسے پڑھ کر اس کی زندگی کے نشیب و فراز معلوم ہوں۔اس کے نہاں خانوں کے پردے اٹھ

جائیں اور ہم اس کی خارجی زندگی کے سوا اس کی داخلی کیفیات کے حجرے میں بھی جھانک کر دیکھ سکیں۔''(۳)

مشفق خواجہ صاحب نے ۱۹۵۸ء میں ایم اے کے مقالہ لکھنے کے دوران اٹھاسی مختصر آپ بیتیاں مرتب کی تھیں۔''الزبیر'' کے آپ بیتی نمبر میں تو مشفق خواجہ کے مقالے میں مرتب شدہ سبھی یعنی اٹھاسی مختصر آپ بیتیوں کو شائع کیا گیا تھا تاہم ''نقوش'' کے آپ بیتی نمبر میں مشفق خواجہ کی مرتب کردہ آپ بیتیوں کی تعداد اکتالیس ہے۔''نقوش'' کے آپ بیتی نمبر میں مشفق خواجہ صاحب کی مرتب کردہ آپ بیتیوں میں سے درج ذیل ادباء کی آپ بیتیاں شامل ہیں۔

حیدر بخش حیدری، میرزا علی لطف، کاظم علی جوان، شیر علی افسوس، میر امن، شیخ حفیظ الدین احمد، نہال چند لاہوری، مولوی کریم الدین، اسد اللہ خان غالب، امیر مینائی، صفیر بلگرامی، الطاف حسین حالی، لالہ پیارے لال دہلوی، امداد امام اثر، خان بہادر مرزا سلطان احمد، مولوی محبوب عالم، شوق قدوائی، مرزا ہادی رسوا، شبلی نعمانی، لالہ بیج ناتھ، عبدالحلیم شرر، مولوی عزیز مرزا، شیو برت لال ورمن، نظم طباطبائی، ریاض خیرآبادی، منشی پریم چند، تاجور نجیب آبادی، سیماب اکبرآبادی، یگانا چنگیزی، فانی بدایوانی، نوح ناروی، اختر شیرانی، آزاد انصاری، چودھری محمد علی ردولوی، سعادت حسن منٹو، مولانا حبیب الرحمن شیروانی، مولانا اظہر باپوڑوی، عبدالمجید سالک، شوکت تھانوی، مجید لاہوری، ہادی مچھلی شہری، ڈاکٹر محمد اشرف۔

''نقوش''(آپ بیتی نمبر) میں مولانا غلام رسول مہر، مولانا علم الدین سالک، ڈاکٹر سید عبداللہ، یوسف جمال انصاری، اور ریحانہ خانم نے اب بیتی کے فن کے نمایاں پہلوؤں اور آپ بیتی کی اہمیت پر مضامین تحریر کیے ہیں۔

غلام رسول مہر نے اپنے مضمون'' آپ بیتیوں کی اہمیت'' میں آپ بیتی کے فن کو مشاہدہ باطن قرار دیا ہے۔مہر صاحب کے خیال میں دوسروں کے حالات لکھتے ہوئے انسان غلطی کر سکتا ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی ذات کے بارے میں لکھتا ہے تو بے کم وکاست سب کچھ بیان کر دیتا ہے جو اس کی حیات سے متعلق پیش آیا ہوتا ہے۔مہر صاحب کے خیال میں انسان آپ بیتی اس لیے لکھتا ہے کہ اس عمل سے وہ زندگی کے تجربات اور مشاہدات سے عبرت حاصل کرتا ہے اور انسان کے لیے تحصیل عبرت سے بڑھ کر کوئی قیمتی سرمایہ نہیں ہوتا۔(۴) آپ بیتی لکھتے ہوئے ایک آپ بیتی نگار ضروری نہیں کہ زندگی میں گزرے ہوئے سبھی واقعات اور سانحات کو قلم بند کرے۔ عموماً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ آپ بیتی نگار اپنی آپ بیتی میں خوشگوار یادوں کو ہی قلم بند کرتا ہے اور وہ واقعات وحالات جو اس کی ذات پر منفی اثر ڈالتے ہیں، آپ بیتی نگار ان کو بیان نہیں کرتا ہے۔مہر صاحب کے نزدیک یہ نکتہ درست نہیں۔آپ بیتی نگار اپنی آپ بیتی میں وہی بیان کرتا ہے جسے وہ ضروری اور اہم سمجھتا ہے۔وہ جن واقعات کو اپنی آپ بیتی میں حذف کرتا ہے، اس سے یہ ہرگز مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ بیتی نگار کذب و دروغ سے بچنا چاہتا ہے۔مہر صاحب کا اس بات پر اصرار ہے کہ ایک محقق کو چاہیے کہ وہ معلوم کرے کہ ایک آپ بیتی نگار نے، آپ بیتی میں تکلف اور تحریف سے کام کیوں لیا، یہ ذمہ داری ہرگز آپ بیتی نگار کی نہیں کہ وہ اس تکلف اور تحریف کی وضاحتیں پیش کرتا رہے۔غلام رسول مہر تحریر کرتے ہیں:

''ہمارے لیے استدلال صحیح اور فکر سلیم سے کام لے کر ہر تحریر میں سے وضع و ساخت کا حصہ الگ کر لینا مشکل نہیں۔ مگر پوری آپ بیتی پر خط نسخ کیوں کھینچیں؟ ہمارے سامنے صرف ایک آپ بیتی نہیں ہوتی۔ ایک ایک دور کے متعلق کئی آپ بیتیاں آجاتی ہیں۔ تاریخی کتابیں لکھی جاتی ہیں اور ہمارے سامنے شہادتوں کے انبار لگ جاتے ہیں، جن میں مختلف زاویہ ہائے نگاہ منعکس ہوتے ہیں اور ہم چھان بین کرتے ہوئے زیادہ بہتر اور مستحکم رائے پر پہنچ سکتے ہیں۔''(۵)

غلام رسول مہر آپ بیتی کو ایک اہم دستاویز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایک شخص کے ذاتی حالات کے علاوہ وقت، عہد اور ماحول کی تصاویر ہو بہو کسی اور صنف میں ملنا دشوار ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مرزا غالب کے خطوط کی مثال دیتے ہیں جن سے غالب کی پوری سوانح تیار ہوسکتی ہے۔

علم الدین سالک نے ''نقوش'' (آپ بیتی نمبر) ہی میں'' آپ بیتیوں میں بعض نمایاں پہلو'' کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔علم الدین سالک نے اپنے مضمون کی ابتدا ہی میں آپ بیتی کے فن کی تاریخ اور افسانے میں مماثلت اور فرق کو بیان کیا ہے۔علم الدین کے نزدیک آپ بیتی تاریخ ہونے کے باوجود اس طور تاریخ سے مختلف ہے کہ اس میں انفرادیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔آپ بیتی افسانے کا رنگ رکھنے کے باوجود افسانہ نہیں ہے کیوں کہ اس میں زندگی کے حقائق کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔مضمون نگار کا خیال ہے کہ آپ بیتی کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کے خود انسان۔(۶)علم الدین سالک اردو آپ بیتی کے ارتقاء میں فارسی زبان میں لکھی آپ بیتیوں کو اہمیت دیتے ہیں جو مسلمان بادشاہوں اور وزراء نے لکھیں۔مضمون نگار نے تاریخ کی درست تفہیم کے لیے آپ بیتیوں کے مطالعے کو ضروری خیال کیا ہے۔ علم الدین سالک نے اس اہم نکتے کی طرف قاری کی توجہ دلائی ہے کہ اردو ادب میں آپ بیتیوں کو محض واقعات کی دلکشی اور زبان کی سلاست کے حوالے ہی سے پرکھا جاتا ہے حالانکہ کے ان آپ بیتیوں کی مدد سے ہم ایک قوم، ایک ملک کی معاشرت کی ابتداء اور عہد بہ عہد ترقیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔(۷)علم الدین سالک نے اپنے مضمون میں بابر اور جہانگیر کی آپ بیتیوں کا جائزہ لیا ہے اور ان کے محاسن کو بیان کیا ہے۔ان آپ بیتیوں کے مطالعے سے ان دو عظیم شخصیات کے مذاق کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مضمون نگار نے آپ بیتی کے فن میں صوفیاء کرام کے ملفوظات ومکتوبات کو بھی شامل کیا ہے۔جن میں ان صوفیاء کرام کی سادگی، اُخوت اور مساوات نمایاں ہوتی ہے۔آخر میں مختصراً اردو میں آپ بیتی کے ارتقاء کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔

علم الدین سالک کے خیال میں ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا محمد جعفر تھانیسری کی آپ بیتی'' کالا پانی'' اردو کی پہلی آپ بیتی ہے۔جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔دوسری قابل قدر آپ بیتی، ظہیر دہلوی کی ''داستان غدر'' ہے۔غدر کے ہی حالات پر ایک اور اہم آپ بیتی خان بہادر منشی محمد عنایت حسین کی'' ایام غدر'' بھی ہے۔علم الدین سالک نے حسرت موہانی کی آپ بیتی'' قید فرنگ'' کو سیاسی آپ بیتی قرار دیا ہے۔ چوہدری افضل حق کی آپ بیتیوں،'' میرا افسانہ'' اور'' دوزخ'' کو اردو ادب کی اہم آپ بیتیاں قرار دیا ہے۔مضمون نگار کا کہنا ہے کہ سید رضا علی کی آپ بیتی،'' اعمال نامہ'' کو وہ پذیرائی نہیں ملی جس کی یہ آپ بیتی حق دار ہے۔اس آپ بیتی میں اس زمانے کی سیاست، ملکی حالات، اردو ہندی تنازعہ، علی گڑھ کی سرگرمیوں کا ذکر دلکش انداز سے ملتا ہے۔ یہاں پر مصنف حکیم احمد شجاع کی'' خون بہا'' اور محمد دین فوق کی'' سرگزشت فوق'' کو بھی اہم آپ بیتیاں سمجھتے ہیں۔محمد دین فوق کی بابت علم الدین سالک لکھتے ہیں:

''میرے دوست منشی محمد الدین فوق اپنے زمانے کے ایک قابل قدر انسان تھے۔ انہوں نے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اور شہرت کو لات مار کر اتنا کام کیا کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔سرگزشت فوق ابھی تک طباعت کے زیور سے آراستہ نہیں ہوئی، وہ مسودے کی صورت میں میرے دوست محمد عبداللہ قریشی کے پاس موجود ہے۔ اس کی سرسری مطالعے سے چند ایسی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو کسی اور سرگزشت میں نہیں ملتیں۔''(۸)

ڈاکٹر حمید شاہد نے ایک جگہ مشفق خواجہ کے متعلق لکھا کہ صاحبوں وہ بھی عجب ڈھب کا آدمی تھا، آپ بیتی کی صنف کے بارے میں ماننے کو تیار ہی نہ تھا کہ اس میں سچ بھی لکھا جا سکتا ہے۔ حمید شاہد کے اس زمرے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کو بھی شامل کر سکتے ہیں جنھوں نے ''نقوش''(آپ بیتی نمبر) میں۔'' آپ بیتی'' کے عنوان سے ایک مضمون قلمبند کیا۔ اس مضمون کے پہلے اقتباس میں ہی آپ بیتی کے فن کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس صنف میں سچ بھی لکھا جا سکتا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''کیا کوئی شخص مکمل اور باریکیوں کی حد تک صحیح آپ بیتی لکھ سکتا ہے؟ اس کا جواب اگر نفی نہیں تو شک میں ضرور ہوگا۔ کسی فرد پر جو کچھ بیتی ہے اس کا صحیح بیان تب ہی ممکن ہے جب دنیا کے سارے باسی (جن کی نظر سے کسی کی آپ بیتی گزرے گی) یا تو فرشتے بن جائیں گے جو تسبیح وتحلیل کے لیے مخلوق ہوئے ہیں۔ (جیسا کہ فرشتوں نے ازل کے امتحاں گاہ میں اول اعلان کیا تھا) یا تب جب لکھنے والا اس چٹان کی طرح ہو جائے گا جس کے سینے سے بے ساختہ چشمے ابل پڑتے ہیں اور وہ اپنی سنگدلی کے باوجود بے بس ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے، اُگل دیتا ہے یا جب پڑھنے والا شاہ بلوط کی اس خشک ٹہنی کی مانند ہو جائے گا جس میں پانی کا رس پہنچ بھی جائے تو اسے محسوس بھی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔''(۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتی میں صداقت کے عنصر کو تسلیم کرنے سے اس لیے انکاری ہیں کہ انسان دو وجوہات کی بنا پر سچ کہنے اور تحریر کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ ایک ''دوسروں کا خوف'' کا اگر سچ بات لکھ دی تو لوگ اس کے بارے میں نہ جانے کیا الٹی سیدھی رائے قائم کر لیں گے اور دوسری وجہ بھی پہلی وجہ سے جڑی ہے کہ ''اپنی ذات سے محبت'' انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کو لاکھ پردوں میں چھپا کر رکھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی آپ بیتی کی صنف کے اس سقم کو بیان کرنے کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن کیا محض اس لیے آپ بیتی کی صنف میں ہم دلچسپی لینا چھوڑ دیں کہ اس صنف میں سچ بیان ہونا مشکل ہے۔ سید عبداللہ صاحب کی فکر اور سوچ کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس صنف کا وجود رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عہد حاضر تک سیکڑوں آپ بیتیاں لکھی جا چکی ہیں۔ ادب کی دیگر اصناف کی نسبت آپ بیتی واحد صنف ہے جس میں ان لوگوں نے بھی قلم اٹھایا ہے جن کا ادب سے دور دور تک تعلق نہیں۔ مثلاً ہمارے سامنے آپ بیتیاں اولیاء کرام کی بھی ہیں اور وطن کی آزادی کی خاطر قربانیاں دینے والوں کی بھی، سیاستدانوں کی بھی ہیں اور صحافیوں کی بھی، بادشاہ اور وزراء کی بھی ہیں اور حکمرانوں کی بھی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا آپ بیتی سے متعلق استفہامی مزاج اور مشکک رویہ ایک لحاظ سے درست ہے لیکن تحقیق محقق کو اس کے اس کے فرائض منصبی سے آزاد نہیں کرتی بلکہ تاریخ، سماجیات اور نفسیات کا شعور رکھنے پر زور دیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مضمون میں روسو کے ان اعترافات کو جو اس نے اپنی آپ بیتی میں بیان کیے ہیں، پر بھی اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ

لکھتے ہیں:

> ''مجھے روسو کی رومانی شوریدگی کے پیش نظر پورا بھروسا نہیں کہ اس نے جذباتیت سے بلند ہو کر لکھا ہو۔''(۱۰)

ڈاکٹر صاحب روسو کے اعترافات کو اس دور کا تقاضا قرار دیتے ہیں اور اشتہار بازی کے قریب تر مانتے ہیں۔ بہتر ہوتا ڈاکٹر صاحب روسو کے دور کی سماجیات پر تائیدی شہادتیں پیش کرتے اور نفسیاتی نقطہ نگاہ سے بھی روسو کی آپ بیتی کا جائزہ لیتے لیکن ان کی تنقید کا انداز یک رخا سا ہے۔ وہ محض یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔

> ''روسو بڑا آدمی تھا۔ مجھے اس کی نیت اور ارادے پر شبہ نہیں۔ مگر میں روسو کے نفسیاتی توازن کا قائل نہیں۔''(۱۱)

ڈاکٹر صاحب کا ماننا ہے کہ براہ راست آپ بیتی لکھنا ناممکن ہے تاہم یہ حجت بالواسطہ ذریعے سے تمام ہوسکتی ہے کہ ناول لکھ کر اپنے حالات زندگی بیان کر دیے جائیں۔(۱۲) ڈاکٹر صاحب آپ بیتی کا ایک اور نقص یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں آپ بیتی نگار مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے اور بہت سی اہم باتوں کو اخفاء رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ نقطہ اعتراض بھی تحقیق کی بنیادی شرائط کی نفی کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو چیز آپ بیتی نگار نے بیان نہیں کی وہ اہم تھی، ہوسکتا ہے آپ بیتی نگار اس نظر سے زندگی کو نہ دیکھتا ہو جس نظر سے ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے۔ ایک آپ بیتی میں تمام چیزوں کا بیان کر دینا ممکن بھی نہیں ہے۔ بعض اوقات آپ بیتی نگار کی اپنی یادداشت میں نسیان کا عنصر اہم بات کو بیان کرنے سے روکتا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے آپ بیتی نگار جس بات کو بیان نہیں کر رہا وہ اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ بالفرض اگر آپ بیتی نگار نے جان بوجھ کر اپنی آپ بیتی میں کسی اہم بات کو چھپایا ہے تو ایک محقق کے لیے یہ مشکل امر نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنی تحقیق کی بدولت یہ پتہ لگا لے کیا چیز خفیہ رکھی گئی ہے۔ اس لیے اس نقص کو بیان کر کے آپ بیتی کی صنف کی اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب کا اس بات پر زور ہے کہ ایک آپ بیتی نگار کو اپنی ذات کا جج بن کر اپنی حالات زندگی قلمبند کرنے چاہیں، ڈاکٹر صاحب کا یہ استدلال بھی تحقیق کے بنیادی رموز کے برخلاف ہے۔ آپ بیتی نگار ایک تخلیق کار ہوتا ہے اس کا اپنے حالات زندگی کو اپنی نظر سے جانچنا و پرکھنا ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی سوچ کے مطابق اپنے حالات زندگی کو جانچے اور پرکھے۔ ریحانہ خانم تو کہتی ہیں کہ زندگی کے واقعات آپ بیتی نگار کو کسی کا جواب دہ ہو کر نہیں لکھنے چاہیں۔(۱۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتی کے فن پر تنقیص بیان کرنے کے بعد اس بات کو مانتے ہیں کہ اس صنف کے عیوب ہونے کے باوجود اس صنف کے کچھ محاسن بھی ہیں۔

> ''با ایں ہمہ آپ بیتیاں اور سوانح نگاروں کے لیے نہایت مفید مواد مہیا کرتی ہیں۔ بڑے بڑے جرنیلوں، سیاستدانوں، شاعروں، مفکروں اور ادیبوں نے اپنے حالات جب بھی لکھے ان کے ضمن میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے فن، فکر اور کارناموں کے ارتقاء کے اسباب پر مستند مواد فراہم ہوا ہے۔''(۱۴)

ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتی کے فنی لوازمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

ا۔''سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دعوے کے بغیر بے تکلف اور سادہ احوال زندگی پر مشتمل ہو۔''(۱۵)

۲۔'' آپ بیتی کا ہر لمحہ تجربے کی روشنی میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔یعنی ولادت کی ساعات اور ان کے تجربات کو اپنی نہیں دوسروں کی زبانی بیان کرنا چاہیے۔''(۱۶)

اپنے مضمون کے آخر میں ابوالکلام آزاد کی آپ بیتی ''تذکرہ'' کے تناظر میں آپ بیتی کے فن سے متعلق ایک اور اہم بات بیان کرتے ہیں:

۳۔'' آپ بیتی صرف اپنی ذات کے تجربات تک محدود نہیں۔ بلکہ ذات کے پس پشت خاندان کے کئی صدیوں کا تجربات کا خلاصہ ہے۔ جن کا ذکر کیے بغیر ایک معمولی لمحے کی سرگزشت بھی مکمل نہیں ہوسکتی۔''(۱۷)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں آپ بیتی کی چھے اقسام گنوائی ہیں(۱۸):

ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتی کے فن پر تنقیص بیان کرنے کے بعد اس بات کو مانتے ہیں کہ اس صنف کے عیوب ہونے کے باوجود اس صنف کے کچھ محاسن بھی ہیں۔

''با ایں ہمہ آپ بیتیاں اور سوانح نگاروں کے لیے نہایت مفید مواد مہیا کرتی ہیں۔ بڑے بڑے جرنیلوں، سیاستدانوں، شاعروں، مفکروں اور ادیبوں نے اپنے حالات جب بھی لکھے ان کے ضمن میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے فن، فکر اور کارناموں کے ارتقاء کے اسباب پر مستند مواد فراہم ہوا ہے۔''(۱۴)

ڈاکٹر سید عبداللہ آپ بیتی کے فنی لوازمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

ا۔''سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دعوے کے بغیر بے تکلف اور سادہ احوال زندگی پر مشتمل ہو۔''(۱۵)

۲۔'' آپ بیتی کا ہر لمحہ تجربے کی روشنی میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔یعنی ولادت کی ساعات اور ان کے تجربات کو اپنی نہیں دوسروں کی زبانی بیان کرنا چاہیے۔''(۱۶)

اپنے مضمون کے آخر میں ابوالکلام آزاد کی آپ بیتی ''تذکرہ'' کے تناظر میں آپ بیتی کے فن سے متعلق ایک اور اہم بات بیان کرتے ہیں:

۳۔'' آپ بیتی صرف اپنی ذات کے تجربات تک محدود نہیں۔ بلکہ ذات کے پس پشت خاندان کے کئی صدیوں کا تجربات کا خلاصہ ہے۔ جن کا ذکر کیے بغیر ایک معمولی لمحے کی سرگزشت بھی مکمل نہیں ہوسکتی۔''(۱۷)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں آپ بیتی کی چھے اقسام گنوائی ہیں(۱۸):

1. مکمل حالات زندگی
2. زندگی کے کسی حصے کی روداد یا ایسی سوانح عمری جس کی مدد سے اپنے اہم فن اور اہم کارنامے کی ارتقائی داستاں مرتب کی ہو۔
3. روزنامچے اور سفرنامے
4. شخصی جھلکیاں یا شخصی خاکے
5. کسی کی کہانی اسی کی زبانی
6. شخصی انشائیے

ڈاکٹر صاحب کی مکمل حالات زندگی سے مراد خودنوشت سوانح عمری ہے۔خودنوشت سوانح عمری کی وہ مزید دو اقسام:''نامکمل آپ بیتی''،

اور ''مکمل آپ بیتی'' بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے'' کالا پانی'' (جعفر تھانیسری)،'' داستان غدر'' (ظہیر دہلوی)،'' میرا افسانہ'' (افضل حق)،'' آپ بیتی'' (خواجہ حسن نظامی) کو نامکمل آپ بیتیاں قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک، سید ہمایوں مرزا کی'' میری کہانی میری زبانی''، رضا علی کی''اعمال نامہ''، دیوان سنگھ مفتون کی'' ناقابل فراموش''، عبدالمجید سالک کی''سرگزشت''، نقی محمد خان کی ''عمر رفتہ'' اور مولانا حسین مدنی کی''نقش حیات'' مکمل آپ بیتیاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مذکورہ تمام آپ بیتیوں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے مضمون میں ہر ایک کے نقطہ نظر کو واضح کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے روسو کی آپ بیتی پر اعتراضات کے باوجود اسے ایک عمدہ آپ بیتی کہا ہے۔ وہ اردو ادب میں اس جیسی ایک بھی آپ بیتی نہیں سمجھتے۔ تاہم وہ روسو کی مانند معیاری آپ بیتی نہ لکھنے کی وجوہات میں مشرقی ماحول اور معاشرتی حدود و قیود کو خیال کرتے ہیں۔

> ''اردو کا آپ بیتی نگار مشرق میں بیٹھا ہے جہاں اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ سچائی یا سچی تصویر کشی کی آڑ لے کر اپنی بداعمالیوں کی تشہیر کرتا پھرے اور حقیقت تو یہ ہے کہ بداعمالیوں کی تشہیر کی یہ حرکت خود مغرب کو بھی مہنگی پڑی ہے۔ بالآخر یہ ہوا کہ لغزش کو تقاضائے بشریت سمجھنے کی بجائے بشریت کا زیور بنا لیا گیا۔'' (۱۹)

''نقوش'' (آپ بیتی نمبر) میں یوسف جمال انصاری نے'' آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتوں'' کے عنوان سے مضمون تحریر کیا ہے۔ مضمون کا آغاز''انسانی ذات کے علم'' اور''باہر کی دنیا کے علم'' کی بحث سے ہوتا ہے۔ مصنف نے دونوں علوم کو انسانی زندگی کے لیے اہم سمجھا ہے۔ دونوں علوم ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ان دونوں علوم کو ہم انفرادی و اجتماعی تجربات کا مجموعہ قرار دے سکتے ہیں۔ یہی انفرادی و اجتماعی تجربات افسانوی اور غیر افسانوی ادب کی تخلیق میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور ناول اور افسانے کے ارتقاء پر سرگذشت یا سوانح نگاری نے گہرا اثر ڈالا ہے۔ یوسف جمال انصاری لکھتے ہیں:

''افسانے اور سوانح میں ایک گہرا ربط ہے۔ بعض اوقات ہم فرضی ناموں سے اپنے تجربات پیش کرتے ہیں اور بعض اوقات اپنے نام سے دوسروں کے تجربات۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ ایک قاری کے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ کسی فرضی کردار کے سوانح پڑھ رہا ہے یا کسی تاریخی شخصیت کی سوانح عمری۔'' (۲۰)

یوسف جمال انصاری نے آپ بیتی کی دیگر صورتیں انشائیہ، مکتوب نگاری، روزنامچے، مثنوی، تذکرہ نویسی، مشاہیر کے انٹرویو، سفرنامے اور رپورتاژ کو قرار دیا ہے۔ ان اصناف کے ساتھ آپ بیتی کے تعلق کو بیان کرنے کے علاوہ غزل، قصیدہ اور رباعی میں بھی آپ بیتی کے عناصر کو دریافت کیا ہے۔ یوسف جمال انصاری کے نزدیک آپ بیتی اپنی ذات کا ایک نقش ہی ہے، جسے صفحہ عالم پر ثبت کرنا ہماری سرشت میں داخل ہے۔ آپ بیتی کے فن کے حوالے سے انصاری صاحب کہتے ہیں آپ بیتی کا فن منضبط فن نہیں اس لیے اس کے صفحات کی تعداد مخصوص نہیں۔ آپ بیتی چند سطور پر بھی مشتمل ہوسکتی ہے اور سیکڑوں صفحات پر بھی۔ انصاری صاحب آپ بیتی کو اعترافات کا نام دیتے ہیں اور انسان کی ندامت کا افسانہ سمجھتے ہیں۔ یوسف جمال انصاری نے آپ بیتی کی سہ گونا حیثیت پر بھی بحث کی۔ انہوں نے لکھا آپ بیتی تاریخی۔ اخلاقی اور یادگاری حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ تاریخی اور اخلاقی حیثیت سوانحی ادب سے متعلق ہے اور یادگاری حیثیت محض اظہار ذات کی حد تک ہے۔ انصاری صاحب کا خیال ہے کہ کسی بڑی شخصیت کا مطالعہ اس کے تاریخی دور سے الگ رہ کر نہیں کیا جا سکتا۔ انصاری صاحب نے آپ بیتی کو خود شناسی کا ذریعہ سمجھا ہے۔

''خود شناسی خدا شناسی ہے اور خود کو پہچاننے کے لیے محض فکر ہی کافی نہیں بلکہ ذکر بھی ضروری ہے۔ یعنی ہم جب خود دل میں ایک بات دہرا لیتے ہیں، ہمارے خیالوں کی گتھی سلجھ جاتی ہے اور ہم اپنے افکار و اعمال کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے آپ بیتی لکھتے وقت گویا ہم اپنے اعمال و افکار کو دہرا رہے ہوتے ہیں۔ اور اپنی ذات کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔'' (۲۱)

ریحانہ خانم اپنے مضمون، '' آپ بیتی کیا ہے؟'' میں آپ بیتی کو سوانح عمری کے فن سے اس طور پر بہتر خیال کرتی ہیں کہ آپ بیتی میں شخصیت کی ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جن سے مصنف سے زیادہ بہتر کوئی اور باخبر نہیں ہوتا تاہم وہ آپ بیتی کے فن کے لیے سچائی کے عنصر کو نہایت ضروری خیال کرتی ہیں۔ اپنے مضمون کے آغاز میں وہ اس صنف کے ارتقا کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ آپ بیتی کا ارتقا کوئی مرتب صورت میں نظر نہیں آتا تاہم مصنفہ نے آپ بیتی کے ارتقا کے نقطہ آغاز میں مغرب کے کردار کو اہم سمجھا ہے اور کچھ ایسے ناموں مثلاً ہیروڈوٹس، زنوفن اور سینٹ آگسٹائن کو شامل تحقیق کیا ہے جنہوں نے یا تو تاریخ نویسی کے پردے میں خود نوشت کے تجربات کیے یا پھر روحانیت کے پرچار میں اپنے حالاتِ زندگی قلم بند کیے۔ مصنفہ کے نزدیک 17 ویں صدی تک مغرب میں آپ بیتی کے جو تجربات ہوئے وہ زیادہ تر شاعری کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ آٹھارویں صدی عیسوی میں آپ بیتی کے فن کو ناول کے فن کے ساتھ ملایا گیا۔ انیسویں صدی میں آپ بیتی کے فن نے بہتر طور پر ارتقاء حاصل کیا۔ اس دور میں ہربرٹ سپنسر، ہیڈن، چارلس ڈارون، الفرڈ رسل اور کارلائل کی آپ بیتیاں توجہ کا مرکز بنیں۔ ریحانہ خانم کہتی ہیں کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران بہت سے سپاہیوں کے نام گنوائے جا سکتے ہیں جنہوں نے اس جنگ عظیم کے شدید نقصانات کے اثر سے آپ بیتیاں لکھیں۔ مصنفہ کے خیال میں مغرب میں جو آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں ان میں بے باکی اور جرات کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنفہ نے نارتھ رد رفورڈ اور روسو کی مثالیں دی ہیں، تاہم وہ آپ بیتی کے لیے ایسی جرأت اور بے باکی کو مسلمانوں کی آپ بیتیوں میں مفقود سمجھتی ہیں۔ ریحانہ خانم کا خیال ہے کہ مشرق میں آپ بیتی کا ابتدائی نمونہ ابن خلدون کی آپ بیتی ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی اور اس کے بعد اہم خود نوشت تزک جہانگیری ہے جسے سب سے پہلے ترکی زبان میں تحریر کیا گیا بعد ازاں فارسی زبان میں اس کو ڈھالا گیا۔ جہانگیر کے علاوہ امیر تیمور نے تزک تیموری کے نام سے آپ بیتی لکھی۔ مصنفہ ان آپ بیتیوں کو آپ بیتی کے فن پر مکمل اور کامیاب تصور نہیں کرتی کیونکہ ان آپ بیتیوں میں خارجی اور عام واقعات و حالات کا بیان زیادہ ہے۔ مصنفہ میر تقی میر کی ''ذکر میر'' کو ان کی ذات کا عمدہ نمونہ سمجھتی ہے۔ ریحانہ خانم بیان کرتی ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش کی تصنیف ''کشف المحجوب'' کو بھی آپ بیتی کی ابتدائی صورت قرار دیا ہے۔

آپ بیتی کے ارتقا پر بات کرنے کے بعد ریحانہ خانم آپ بیتی اور سوانح عمری کے فن کے مابین جو مماثلت اور امتیاز پایا جاتا ہے اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ وہ آپ بیتی کے فن کو سوانح نگاری کے فن کیمانند قرار دیتی ہیں کیونکہ دونوں اصناف میں ایک انسان کی زندگی کو موضوع بنایا جاتا ہے تاہم وہ ان دونوں اصناف کے مابین درج ذیل تین امتیازات کو بیان کرتی ہیں:

۱۔ '' سوانح عمری کا فن تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ہیرو مہد سے لحد تک نظر آئے۔ سوانح نگار کا فرض ہے کہ پیدائش سے لے کر آخری زندگی تک کے کل حالات من وعن بیان کر دے مگر آپ بیتی لکھنے والے سے مکمل زندگی پیش کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔'' (۲۲)

۲۔ '' سوانح عمری پہلے سے تیاری کے بعد اور ارادتاً بعض طریقوں اور مقاصد کو لے کر لکھی جاتی ہے۔ اس کے لیے اصول مرتب صورت میں سامنے رکھے جا سکتے ہیں مگر آپ بیتی کا لکھا جانا اتفاقی چیز ہے۔ خود اپنی مرضی وطبع کے تابع ہو کر یہ کام کیا جاتا ہے۔ شاید یہ خیال بھی

نہیں آتا یا یہ گوارا ہی نہیں کیا جاتا کہ کوئی اصول سامنے رکھے جائیں۔'' (۲۳)

۳۔'' سوانح نگار کو ہر طرح کا مواد حاصل کرنے کے لیے بڑی جانچ پڑتال اور جستجو سے کام لینا پڑتا ہے مگر خود لکھنے والا اپنے آپ سے واقف ہونے کا فائدہ رکھتا ہے۔ سوانح نگار کو کسی شخصیت میں جان ڈالنے کا کٹھن کام کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ آپ بیتی لکھنے والا اپنی شخصیت وانفرادیت سمیت اپنی تحریر میں آسانی سے جلوہ گر ہوسکتا ہے۔'' (۲۴)

ریحانہ خانم سوانح عمری یا آپ بیتی کے لیے تین عناصر کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ اور یہ تین عناصر سچائی، شخصیت اور فن (طرز ابلاغ) ہیں۔ (۲۵) ریحانہ خانم کی آپ بیتی کے فن میں ان تین عناصر کا بیان اس لحاظ سے قابل ستائش ہے کہ بعد میں آنے والے آپ بیتوں کے بیسیوں ناقدین نے بھی ان عناصر کو آپ بیتی کے فن کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ آپ بیتی لکھنے والا اپنا ناقد آپ ہوتا ہے۔ آپ بیتی میں معمولی سی معمولی بات سچائی کی وجہ سے اجاگر ہوتی ہے۔ ایک آپ بیتی میں شخصیت کے محاسن ہی نہیں عیوب بھی نمایاں کیے جانے چاہیں۔ فن کے ضمن میں ریحانہ خانم لکھتی ہیں کہ ایسے معمولی واقعات جو زندگی کو دوبارہ ترتیب وتشکیل دینے میں مددگار ثابت ہوں ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تاہم آپ بیتی زندگی کی اتنی طویل داستان بھی نہیں بننی چاہیے کہ بار محسوس ہو۔ خیال اور مبالغے کی آپ بیتی میں کوئی جگہ نہیں دینی چاہیے۔ زندگی کے واقعات آپ بیتی نگار کو کسی کا جوابدہ ہو کر نہیں لکھنے چاہیں۔ جیسا کہ ریحانہ خانم لکھتی ہیں:

''خود اپنی مرضی وطبع کے تابع ہو کر یہ کام کیا جاتا ہے اور یہ خیال ہی نہیں آتا یا گوارہ ہی نہیں کیا جاتا کہ کوئی اصول سامنے رکھے جائیں۔ اگر آپ بیتی لکھنے والا بندھے ٹکے اصول سامنے رکھ کر اور پہلے سے منصوبہ بنا کر چلے کہ اسے اس طرح لکھنا ہے اور پھر یہ کام شروع بھی کر دے تو وہ تصنع و بناوٹ سے نہیں بچ سکے گا۔'' (۲۶)

ریحانہ خانم اپنے مضمون نے آپ بیتی میں پائی جانے والی دشواریوں اور خامیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مصنفہ نے مضمون کے آخر میں ان خامیوں سے نمٹنے کی صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ مصنفہ نے آپ بیتی کی صنف میں درج ذیل خامیوں کو شمار کیا ہے۔

1. آپ بیتی میں آپ بیتی نگار ایک مثالی شخصیت کو بیان کرنے لگتا ہے اس عمل سے زندگی کے حقیقی گوشے بے نقاب ہونے سے رہ جاتے ہیں اور بناوٹی روداد سامنے آتی ہے۔

2. آپ بیتی لکھتے ہوئے آپ بیتی نگار حقیقی واقعات بیان کرنے کی بجائے تخیل آفرینی کرنا شروع کر دیتا ہے جو ظاہر ہے کہ مفروضوں پر مبنی ہو سکتے ہیں۔

3. آپ بیتی میں آپ بیتی نگار کی اپنی شخصیت اور اس کی عادات واطوار پڑھنے والے کے لیے دلچسپی کا مرکز ہوتی ہیں لیکن آپ بیتی نگار آپ بیتی لکھتے ہوئے اپنی شخصیت سے زیادہ زمانے والوں کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس بابت ریحانہ خانم لکھتی ہیں:

''ایسی عملی، سیاسی، تاریخی اور اجتماعی باتیں چاہے کتنی ہی پرلطف اور افادیت کی حامل ہوں، آپ بیتی ڈھونڈنے والے کو نہیں بھاتیں۔ وہ ان تمام سیاسی وہ تاریخی بحثوں میں الجھنے کی بجائے زندہ شخصیت اور کردار کو بمع اس کی زندگی کے شب وروز کے دیکھنا چاہتا ہے۔'' (۲۷)

4. آپ بیتی کا تعلق بھی ادب سے ہے اور اسے غیر افسانوی ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ادب کا مقصد دوسروں کو سبق سکھانا یہ تلقین کرنا نہیں ہوتا۔ لیکن کسی بھی کہانی میں کوئی سبق خود بخود پیدا ہو جائے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آپ بیتی میں آپ بیتی نگار کا مقصد اگر صرف سبق سکھانا ہی ہوگا تو وہ اپنی آپ بیتی میں اچھے واقعات ہیں بیان کرے گا اور برے واقعات کو بیان کرنے سے

احتراز کرے گا۔ اس کے اس عمل سے آپ بیتی کے فن میں یقیناً ایک بڑا عیب پیدا ہو جائے گا۔

مصنفہ آپ بیتی کے فن کے لیے سچائی کو ناگزیر سمجھتی ہے لیکن وہ اس بات کا بھی تجزیہ کرتی ہے کہ آپ بیتی نگار آپ بیتی میں سچائی کو بیان کرنے سے کیوں کتراتا ہے۔ مصنفہ سمجھتی ہے کہ انسان میں پائی جانے والی جھجک اور حجاب اسے سچے واقعات قلم بند کرنے سے روکتے ہیں۔ انسان میں یہ جھجک اور حجاب کا یہ عنصر اس کی طبیعت میں پائی جانے والی شائستگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ آخر میں مصنفہ آپ بیتی کی صنف سے نباہ کرنے کی صورت تلاش کرتی ہے کہ آپ بیتی کے بیان اور ابلاغ میں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ بیتی نگار آپ بیتی میں اس بات کا اعتراف کر لے کہ وہ کچھ باتیں بھول گیا ہے تو یہ بات لکھنے والے کی فطرت کو ظاہر کرتی ہے اور ایسی باتیں جن کو بیان کرنے سے وہ شرم محسوس کرے تو ان کو بیان کرنے میں وہ اعتدال سے کام لے سکتا ہے۔ کیونکہ مشرق میں بات کے اظہار کے اپنے طور طریقے ہیں تاہم آپ بیتی نگار کو کسی بات کو چھپانا نہیں چاہیے۔

مختصر یہ کہ ''نقوش'' کا یہ آپ بیتی نمبر اپنی مثال آپ ہے۔ اس نمبر میں ذاتی سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ اس نمبر کی اشاعت پر غلام رسول مہر رقمطراز ہیں کہ:

''آپ بیتی کا ذخیرہ یکجا کرنا ایک نہایت ضروری کام تھا۔ دوسرے کاموں کی طرح اس کے لیے بھی اللہ تعالی نے نقوش کو سبقت کے شرف پر مشرف کیا ہے۔'' (۲۸)

الزبیر (آپ بیتی نمبر):

''الزبیر'' اردو اکیڈمی بہاول پور کا قدیم مجلہ ہے۔ ۱۹۶۴ء میں مسعود حسن شہاب کی ادارت میں اس رسالے کا آپ بیتی نمبر نکالا گیا۔ اس شمارے کی ترتیب وتدوین اس لحاظ سے قابل تحسین ہے کہ نامساعد حالات کے باوجود آپ بیتی کے فن پر یہ اپنے دور کا بہترین شمارہ تھا۔ یہ وہ دور تھا، جب آپ بیتی کا فن اردو ادب میں اپنی ابتدائی منازل طے کر کے وسطی دور میں داخل ہو چکا تھا۔ اس شمارے کے آغاز میں آپ بیتی کے فن اور اس صنف کی روایت میں دو محققین کے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ آپ بیتی کے فن کے محرکات اور تقاضوں پر دونوں محققین نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ پہلا مضمون ریحانہ خانم کا ''فن آپ بیتی اور آپ بیتیاں'' ہے۔ دوسرا مضمون عبدالمجید قریشی کا ''آپ بیتی اردو ادب میں'' ہے۔ ریحانہ خانم کا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ایک مضمون پہلے ہی ''آپ بیتی کیا ہے؟'' ''نقوش'' کے آپ بیتی نمبر میں چھپ چکا تھا۔ ''الزبیر'' میں ریحانہ خانم کا جو آپ بیتی سے متعلق مضمون شائع ہوا اس میں کچھ باتیں سابقہ مضمون (مشمولہ نقوش) میں بھی شائع ہو چکی تھیں جیسا کہ ''آپ بیتی کا ارتقاء''، ''آپ بیتی کے فن اور سوانح نگاری کے فن میں مماثلت'' اور ''آپ بیتی کے لیے ناگزیر عناصر'' وغیرہ۔ ''الزبیر'' میں ریحانہ خانم کا جو مضمون شائع ہوا، اس میں مصنفہ نے ساٹھ کی دہائی تک اردو ادب میں جو آپ بیتیاں لکھی جا چکی تھیں، ان کا مختصراً تجزیہ بیان کیا ہے۔ ریحانہ خانم کے نزدیک آپ بیتی لکھنے کا محرک انسان کا اپنی شخصیت کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرنے کا شوق ہے۔ مصنفہ جہاں آپ بیتی کے فن میں تخیل آفرینی کو غیر ضروری خیال کرتی ہیں وہاں آپ بیتی میں مقصد اخلاق اور اسباق کو زبردستی ٹھونسنے کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتی ہیں:

> ''اخلاقیات کا درس زندگی کی فطری تصویر کو دھندلا سکتا ہے۔ سوانح عمری زندگی کی تصویر ہے اور اس تصویر کشی میں ہر طرح کی حقیقتوں کو نمایاں ہونا چاہیے۔'' (۲۹)

ریحانہ خانم نے اپنے اس مضمون میں چند مکمل آپ بیتیوں کے عیوب ومحاسن سے پردہ اٹھایا ہے اور مولانا محمد جعفر کی ''کالا پانی''، سید

ظہیرالدین کی ''داستان غدر''، منشی محمد عنایت حسین کی سرگزشت ''ایام غدر''، مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کی ''قید فرنگ''، مولانا ابوالکلام آزاد کی ''تذکرہ''، خواجہ حسن نظامی کی ''آپ بیتی''، چوہدری افضل حق کی ''میرا افسانہ''، سید ہمایوں مرزا کی ''میری کہانی میری زبانی''، سر سید رضا علی کی ''اعمال نامہ''، عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت''، حکیم احمد شجاع کی ''خون بہا''، سید حسین احمد مدنی کی ''نقش حیات''، دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابل فراموش''، نقی محمد خان کی ''عمر رفتہ'' کا مختصراً تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ریحانہ خانم مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ''تذکرہ'' کو آپ بیتی کہنا مناسب خیال نہیں کرتیں کہ اس تصنیف میں مولانا نے محض اپنے حسب نسب اور آباؤ اجداد کے حالات ہی تحریر کیے ہیں اپنے حالات زندگی سے پہلو بچا گئے ہیں تاہم ڈاکٹر سید عبداللہ ابوالکلام آزاد کے اس فعل کو آپ بیتی کے فن کے لیے ضروری قرار دیا ہے:

> ''آپ بیتی صرف اپنی ذات کے تجربات تک محدود نہیں بلکہ ذات کے پس پشت خاندان کے کئی صدیوں کے تجربات کا خلاصہ ہے جن کا ذکر کیے بغیر ایک معمولی لمحے کی سرگزشت بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔'' (۳۰)

مضمون نگار سید رضا علی کی آپ بیتی ''اعمال نامہ'' کے متعلق لکھتی ہیں کہ اس تصنیف میں مصنف نے ملکی حالات اور سیاست کو زیادہ جگہ دی ہے جس کی وجہ سے آپ بیتی کا فن متاثر ہوا ہے۔ ریحانہ خانم نے عبدالمجید سالک کی سرگذشت کے اسلوب پر طنز کے نشتر چلائے ہیں اور اس تصنیف کے اسلوب کو صحافتی قرار دیا ہے۔ ریحانہ خانم نے نقی محمد خان کی آپ بیتی عمر رفتہ کو ایک معیاری آپ بیتی قرار دیا ہے کہ اس آپ بیتی میں شروع سے آخر تک آپ بیتی لکھنے کو مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ہر جگہ مناسب جزئیات اور تفصیلات ہیں اور کہیں بات کو چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ (۳۱) ریحانہ خانم نے چند ایسی مثنویوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں ان کو تحریر کرنے والے مثنوی نگاروں کے حالات زندگی نمایاں ہوتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے اس مضمون میں چند دیباچوں کا بھی ذکر کیا ہے جس میں ادباء نے مختصراً اپنے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں۔ ان مصنفین میں فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے علاوہ امیر مینائی (امیر اللغات) اور الطاف حسین حالی (ترجمہ حالی) بھی شامل ہیں۔ آخر میں مصنفہ نے چند ایسے آپ بیتی نگاروں کا ذکر کیا ہے جن کی آپ بیتیاں قسط وار کسی نہ کسی رسالے میں چھپتی رہی ہیں۔ جیسا کہ محمد امین زبیری کی خودنوشت ۱۹۵۹ میں ''رسالہ اردو'' میں شائع ہوئی، رسالہ ''نصرت'' میں عبدالماجد دریا آبادی کا سوانحی مضمون ''شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا''، رسالہ ''نصرت'' ہی میں ۱۹۶۰ء میں نیاز فتح پوری کا آپ بیتی نما مضمون بھی چھپا۔ رسالہ ''ماحول'' میں احمد ندیم قاسمی کا سوانحی مضمون ''چند یادیں'' شائع ہوا۔ ''یاد ایام عشرت خان'' کے عنوان سے فرحت اللہ بیگ کی آپ بیتی کے چند اجزاء سامنے آتے ہیں۔ مصنفہ فرحت اللہ بیگ کے سوانحی حالات وواقعات کی بارے میں لکھتی ہیں

> ''اگر فرحت اپنی آپ بیتی مکمل صورت میں پیش کر جاتے یا اب بھی مل جائے تو یہ ایک صاحب طرز ادیب کی آپ بیتی ہو اور صنف آپ بیتی میں ایک اعلیٰ اضافہ ہو جاتا۔'' (۳۲)

''الزبیر'' (آپ بیتی نمبر) میں آپ بیتی کے فن اور روایت پر عبدالمجید قریشی کا مضمون ''آپ بیتی اُردو ادب میں'' ہے۔ عبدالمجید قریشی نے بھی ریحانہ خانم کی طرح آپ بیتی کو سوانح حیات ہی کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ آپ بیتی کی صنف کی اب تک جتنی بھی تعریفیں ہوئی ہیں ان میں عبدالمجید کی تعریف سب سے جامع ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''آپ بیتی یا خودنوشت سوانح وہ کتاب ہے جس کے اوراق میں انسان حیات مستعار کے مختلف ادوار کو بلا کسی تکلف اور تصنع کے دوسروں

کے سامنے پیش کرتا ہے کہ اُس نے کن حالات میں اس جہان رنگ بو میں آنکھیں کھولیں، کس طرح وہ طفل شیر خوار سے لڑکپن کی منزل میں داخل ہوا، اس کا زمانہ طالب علمی کیسے بسر ہوا، عروس وشباب نے کیونکر اسے خوش آمدید کہا، زندگی میں کامرانیوں اور کامیابیوں نے کیسے اس کا خیر مقدم کیا، اِن کے ساتھ تلخیاں، محرومیاں اور ناکامیاں کیسے اس کی راہ میں سنگ ہائے گراں بن کر حائل ہوئیں اور کس طرح گردِ آب و بلا سے اپنی کشتی حیات کو بچاتا ہوا نکلا۔ زندگی میں کن آدمیوں سے اس کا سابقہ پڑا اور ان کے متعلق اس کی آراء اور تاثرات کیا ہیں، اس زمانے کا طرز معاشرت اور رہن سہن کیسا تھا۔ اور رسم ورواج کی کیا کیفیت تھی۔ غرض آپ بیتی کے روپ میں ایک دور کی ہما ہمی، اور گہما گہمی پوری طرح جلوہ گر ہوتی ہے۔''(۳۳)

عبدالمجید قریشی اپنے اس مضمون میں آپ بیتی کے فن کی بابت کہتے ہیں کہ آپ بیتی میں قطع برید، اضافہ وتخفیف، افراط وتفریط اور رنگ آمیزی ایک ناقبل معافی جرم ہے۔ آپ بیتی ایک شخص کے حالات زندگی پر مبنی ہوتی ہے اور کوئی بھی شخص غلطی سے پاک نہیں ہوتا لہٰذا آپ بیتی میں جہاں ایک شخصیت کے محاسن قلم بند کیے جاتے ہیں وہاں اس کی زندگی کے عیوب بھی قلم بند ہونے چاہیں تاہم عبدالمجید قریشی زندگی کو آپ بیتی میں بے کم وکاست بیان کرنے کے بھی خلاف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مشرق کی اپنی روایات ہیں لہٰذا مغرب کی نقالی میں یہاں آپ بیتی میں انسان کو وہ سب کچھ بیان نہیں کرنا چاہیے جس میں معاشرے میں فحاشی اور بد کرداری پروان چڑھے۔(۳۴) عبدالمجید قریشی ناول اور افسانے کی نسبت آپ بیتی کی صنف کو بہتر خیال کرتے ہیں کہ کسی بھی ناول کی چمک دمک آپ بیتی کے آگے ماند پڑ جاتی ہے، تاہم مصنف اردو میں معیاری آپ بیتیوں کی کمیابی پر بھی نالاں نظر آتا ہے۔ مصنف نے مکاتیب، یادداشتوں، ڈائریوں، روز نامچوں، رپورتاژ، انٹرویو اور سوانحی تذکروں کو بھی اہمیت دی ہے کہ یہ اصناف بھی آپ بیتی کے بہت قریب ہیں۔

عبدالمجید قریشی نے اردو ادب میں آپ بیتی کی تاریخ کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور اردو ادب میں نواب صادق حسین خان بھوپالی کی آپ بیتی ''القاالمنن بالقاالحن'' کو اولین آپ بیتی قرار دیا ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد جعفر کی ''کالا پانی''، مولانا وحید الزماں حیدر آبادی کی ''تذکرہ وحیدی''، سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی کی ''داستان غدر''، ابوالکلام آزاد کی ''تذکرہ''، خواجہ حسن نظامی کی آپ بیتی کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ عبدالمجید قریشی کا کہنا ہے کہ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۴۰ء تک کے عرصے میں جو قابل ذکر آپ بیتیاں شائع ہوئیں ان میں مرزا محمد عسکری، غلام حسین کنتوری اور عبدالغفور اترالوی کی آپ بیتیاں اہم ہیں۔ قریشی صاحب کے نزدیک ۱۹۴۰ء کے بعد آپ بیتی کا زمانہ اہم ہے اس عرصے میں کئی اہم آپ بیتیاں لکھی گئیں۔ جن میں ہمایوں مرزا کی ''میری کہانی میری زبانی''، چودھری افضل حق کی ''میرا افسانہ''، سید رضا علی کی ''اعمال نامہ''، اور حکیم احمد شجاع کی ''خون بہا'' شامل ہیں۔ آپ بیتی کی تاریخ مرتب کرنے کے دوران مصنف نے ان آپ بیتیوں کو بھی شامل کیا ہے جو مختلف اردو اخبارات ورسائل میں شائع ہوئی ہیں۔ مصنف کے خیال میں شکار کی کہانیوں کو بھی آپ بیتی کی صنف میں رکھنا چاہیے۔(۳۵) اس سلسلے میں عبدالمجید قریشی نے شکاریات پر مبنی قاری کو کچھ کتب سے متعارف کرایا ہے۔ بعد ازاں مصنف نے انگریزی زبان سے ترجمہ ہو کر اردو زبان میں داخل ہونے والی آپ بیتیوں کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں مرزا ہادی رسوا کے ناول ''امراؤ جان ادا'' کی بابت لکھا کہ وہ اس کتاب کو بطور آپ بیتی کے پڑھ کے لطف لیتے ہیں۔(۳۶)

''الزبیر'' (آپ بیتی نمبر) کی ترتیب وتدوین میں مشفق خواجہ کا حصہ نمایاں ہے۔ دراصل اس شمارے میں مشفق خواجہ کا تدوین شدہ جو حصہ شائع ہوا ہے وہ ان کا ایم اے کا مقالہ ہے۔ ان کے ایم اے کے مقالہ کا عنوان تھا ''اردو کی خودنوشت سوانح عمریاں'' جو ''الزبیر''

کے آپ بیتی نمبر میں ''مختصر آپ بیتیوں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔شمارے میں اس مدون کام کی ضخامت ۲۵۰ صفحات تک ہے۔مشفق خواجہ نے مختصر آپ بیتیوں کی تدوین سے قبل آپ بیتی کے فن پر روشنی بھی ڈالی ہے۔مشفق خواجہ نے آپ بیتی کی صنف کے متعلق تحریر کیا کہ اس صنف کی دلچسپی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔زمانہ قدیم سے آج تک انسان اپنے بارے میں لکھ رہا ہے لیکن خواجہ صاحب کو اس صنف کے فن میں پیش آنے والی مشکلات کا بھیجو بی اندازہ تھا۔جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> ''خودنوشت سوانح عمری کا اصل مقصد انکشاف ذات ہے لیکن سماجی قیود اور سماجی مفروضات اسے پردہ ذات بنا دیتے ہیں اور اسی لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے آپ کو چھپانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود نوشت سوانح عمری لکھ دی جائے۔''(۳۷)

اس مدون کام میں مشفق خواجہ نے ۸۸ مشاہیر ادباء کی مختصر آپ بیتیوں کو جگہ دی ہے، جن کا تعلق ۱۸۱۷ء تا ۱۹۵۸ء تک کے دور سے ہے۔مشفق خواجہ نے زمانی اعتبار سے مشاہیر ادباء کے حالات مرتب کیے ہیں۔ان میں سے نمایاں نامحید ربخش حیدری،، میرزا علی لطف، کاظم علی جوان، شیر علی افسوس، میر امن، نہال چند لاہوری، محسن لکھنوی، الطاف حسین حالی، امداد امام اثر، مرزا ہادی رسوا، نظم طباطبائی، ریاض خیر آبادی، عبدالحلیم شرر، منشی پریم چند، تاجور نجیب آبادی، سیماب اکبر آبادی، فانی بدایوانی، یگانہ چنگیزی، وحشت کلکتوی، اختر شیرانی، آزاد انصاری، محمد علی ردولوی، ڈاکٹر رشید جہاں، سعادت حسن منٹو، مولانا عبدالسلام ندوی، عبدالمجید سالک، شوکت تھانوی، مجید لاہوری، ہادی مچھلی شہری وغیرہ ہیں۔حال ہی میں ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے مشفق خواجہ کے الزبیر میں شائع ہونے والے مواد کو ''اردو کی مختصر آپ بیتیاں'' کے عنوان سے اٹلانٹس پبلی کیشنز کے تعاون سے شائع کیا ہے۔اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ الزبیر کے آپ بیتی نمبر میں شائع ہونے والے مواد پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں ۵۲ مزید مشاہیر ادب کے حالات زندگی کو مرتب کیا گیا ہے جو کہ مشفق خواجہ کی تحقیق کا ثمر ہے۔اس حصے میں منٹو اور عبدالحلیم شرر کے حالات زندگی اضافوں کے ساتھ شامل کیے گئے ہیں۔اس کتاب کے حصہ دوم میں ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے مصنفین کے نام الف بائی ترتیب سے شامل کیے ہیں۔

''الزبیر'' کے اس خصوصی شمارے میں تین تاریخی آپ بیتیوں ''داستان غدر'' (سید ظہیر الدین دہلوی)، ''سرگزشت ایام'' (منشی عنایت حسین خان) اور'' کالا پانی'' (مولانا محمد جعفر تھانیسری) سے چونکا دینے والے واقعات کو شامل کیا گیا ہے۔مزید چند مشاہیر اور خاص ادیبوں کی آپ بیتیوں کے اقتباسات کو بھی جگہ دی گئی ہے جن میں اہم نام صدیق حسن خان بھوپالی، مولانا حبیب الرحمان خانشیر وانی، سرسید رضا علی، چوہدری افضل حق، دیوان سنگھ مفتون، حکیم احمد شجاع، ملک فیروز خان نون، شفیق الرحمٰن قدرت اللہ شہاب، احمد ندیم قاسمی، زیڈ اے بخاری اور عبدالمجید قریشی کے ہیں۔اسی شمارے میں ''لطف اللہ کی آٹو بائیوگرافی''، ''اعمال نامہ''، ''یاد ایام'' اور دیگر آپ بیتیوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔لطف اللہ کی آٹو بائیوگرافی پر تنقیدی مضمون ضیاالحسن فاروقی نے لکھا ہے۔یہ تنقیدی مضمون آٹو بائیوگرافی کی تنقید کرنے کی بجائے ایک تفصیل تبصرہ پیش کرتا ہے، جس سے اس وقت کے سیاسی وسماجی حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔''اعمال نامہ'' سرسید رضا علی کی آپ بیتی ہے جس پر تنقیدی نگاہ مجتبیٰ حسین نے ڈالی ہے۔مجتبیٰ حسین نے اس آپ بیتی کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ اس آپ بیتی کے سیاسی مباحث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔'' یاد ایام'' سعید احمد خان نواب چھتاری کی آپ بیتی ہے جس پر ایک تبصرہ عبدالمجید قریشی نے لکھا ہے اور اس تبصرہ کو تنقیدی مضمون نہیں کہا جا سکتا۔الزبیر کے اسی شمارے میں تین ایسی آپ بیتیوں کو شامل کیا گیا ہے جو دیگر زبانوں سے اردو میں ترجمہ ہو کر داخل ہوئی ہیں ان میں ایک'' چیخوف میری زندگی''، دوسری'' عورت شہنشاہ

ایران کی نظر میں'' اور تیسری ''آغا خان کی سرگذشت'' ہیں۔ ''چیخوف میری زندگی'' کو روسی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے جس کی مصنفہ نے اس آپ بیتی میں چیخوف کے ساتھ اپنی رومان کی روداد کو بیان کیا ہے۔ ''عورت شہنشاہ ایران کی نظر میں'' رضا شاہ پہلوی کی آپ بیتی کا ایک باب کا ترجمہ ہے جس میں رضا شاہ نے صنف نازک اور ازدواجی زندگیسے متعلق ایرانی معاشرے کی صورتحال کا ذکر کیا ہے۔ تیسری ترجمہ شدہ آپ بیتی سر آغا خان کی ہے جنھوں نے اپنی آپ بیتی میں دنیا کی مشہور شخصیات سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر بیان کیا ہے۔ اسی شمارے کا آخری باب'' ادبائے بہاولپور کی مختصر آپ بیتیوں'' پر مشتمل ہے۔ ان ادیبوں میں بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ، عبدالحمید ارشد، نور محمد علوی، پروفیسر دلشاد کلانچوی اور محمد بشیر احمد نظامی شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ ''الزبیر'' کا یہ خصوصی نمبر اردو ادب کے قارئین کو ایک ہی جگہ آپ بیتی سے متعلق سیر حاصل مواد مہیا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ آپ بیتی کا خاصا اہم اور قابل لحاظ سرمایہ اردو ادب کے مجلوں میں ہے۔ یہ ذخیرہ اپنے معیار کے اعتبار سے اردو کے موجودہ کتابی سرمائے سے کسی طور کم نہیں ہے۔ ایک محقق آپ بیتی کی صنف کے حوالے سے ان مجلّات کے خصوصی نمبروں کے مطالعہ سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد طفیل، نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص طلوع۔

۲۔ ایضاً، ص تصریحات۔

۳۔ ایضاً، ص تصریحات۔

۴۔ غلام رسول مہر، ''آپ بیتیوں کی اہمیت''، مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۳۶۔

۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۶۔ علم الدین سالک، ''آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو''، مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۴۰۔

۷۔ ایضاً، ص ۴۱۔

۸۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۹۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''آپ بیتی''، مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۶۰۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۲۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۲۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۱۔

۱۳۔ ریحانہ خانم، ''آپ بیتی کیا ہے''، مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۸۸۔

۱۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''آپ بیتی''، مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر) (لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۶۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۳۔

۱۶۔ ایضاً،ص ۶۳۔

۱۷۔ ایضاً،ص ۶۷۔

۱۸۔ ایضاً،ص ۶۵۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۶۶۔

۲۰۔ یوسف جمال انصاری،''آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں''،مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر)(لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)، ص ۶۹۔

۲۱۔ ایضاً،ص ۸۳۔

۲۲۔ ریحانہ خانم،''آپ بیتی کیا ہے''،مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر)(لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)،ص ۸۷۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۸۸۔

۲۴۔ ایضاً،ص ۸۸۔

۲۵۔ ایضاً،ص ۸۹۔

۲۶۔ ایضاً،ص ۸۸۔

۲۷۔ ایضاً،ص ۹۴۔

۲۸۔ غلام رسول مہر،''آپ بیتیوں کی اہمیت''،مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر)(لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)،ص ۳۹۔

۲۹۔ ریحانہ خانم،''آپ بیتی اردو ادب میں''،مشمولہ: الزبیر (آپ بیتی نمبر)،مدیر: مسعود حسن شہاب (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء)،ص ۱۰۔

۳۰۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر،''آپ بیتی''،مشمولہ: نقوش (آپ بیتی نمبر)(لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء)،ص ۶۷

۳۱۔ ریحانہ خانم،''آپ بیتی اردو ادب میں''،مشمولہ: الزبیر (آپ بیتی نمبر)،مدیر: مسعود حسن شہاب (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء)،ص ۱۲۔

۳۲۔ ایضاً،ص ۲۴۔

۳۳۔ عبدالمجید قریشی،''آپ بیتی اردو ادب میں''،مشمولہ: الزبیر (آپ بیتی نمبر)،مدیر: مسعود حسن شہاب (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء)،ص ۲۹۔

۳۴۔ ایضاً،ص ۳۰۔

۳۵۔ ایضاً،ص ۳۸۔

۳۶۔ ایضاً،ص ۴۴۔

۳۷۔ مشفق خواجہ،''مختصر آپ بیتیاں''،مشمولہ: الزبیر (آپ بیتی نمبر)، مدیر: مسعود حسن شہاب (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء)،ص ۴۵۔

ماخذ

مآخذ

نقوش (آپ بیتی نمبر)لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء
الزبیر(آپ بیتی نمبر)، بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء